محمد حنیف ندوی

مسئلۂ جبر و قدر

(۳)

اشکال قدرت کی وضاحت

قدرت و استطاعت کے سلسلہ میں ایک دلچسپی ہمارے ہاں یہ پیدا ہوئی کہ یہ انسان میں کب ابھرتی ہے! کیا یہ عین اس وقت انسانی اعمال کے ہم قرین ہوتی ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتا ہے، اور اس سے پہلے اس کا وجود نہیں ہوتا۔ یا اس کا فعل سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے۔ یا صورتِ حال یہ ہے کہ یہ اگرچہ فعل سے پہلے موجود ہوتی ہے تاہم عین اس وقت حرکت میں آتی ہے جب انسان کو کچھ کرنا ہوتا ہے۔

علامہ نے اس کا دو ٹوک جواب قرآن کی روشنی میں دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے کہ جس پر جواب دہی اور تکلیف شرعی کا دارومدار ہے۔ اس کا پہلے سے ہونا ضروری ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں ہے:

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع		اور لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس کے گھر تک
الیہ سبیلاً	آل عمران ۹۷	جانے کی استطاعت رکھے وہ اس کا حج کرے۔
فاتقوا اللہ ما استطعتم	تغابن ۱۶	سو جہاں تک تم میں استطاعت ہو خدا سے ڈرو۔
لا نکلف نفساً الا وسعہا	انعام ۱۵۲	ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

دوسری قسم وہ ہے جسے فعل و عمل کے ہم قرین ہونا چاہیے۔ اس کی مثالیں بھی قرآن حکیم

میں بکثرت موجود ہیں:

ما کانوا یستطیعون السمع وما کانوا یبصرون (ہود ۲۰)	یہ شدت کفر سے تمھاری بات نہیں سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔
وعرضنا جھنم یومئذٍ للکافرین عرضاً الذین کانت اعینھم فی غطاء عن ذکری وکانوا لا یستطیعون[1]	اور اس روز جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

کیا علم شئ وجود شئ کو مستلزم ہے

تیسرا اہم نکتہ جس پر علامہ کی طبع طرفہ طراز نے روشنی ڈالی ہے یہ ہے کہ علم الٰہی جبر کو مستلزم نہیں! آغاز بحث ہی میں ہم تفصیل سے بتا آئے ہیں کہ جبریہ نے کیونکر علم الٰہی کی وسعت و ہمہ گیری کو اپنے حق میں بطور دلیل کے استعمال کیا ہے۔ اور یہ کہ اس دلیل کی علمی اور منطقی حیثیت کیا ہے۔ یہاں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت علامہ نے اشکال کی اس نوعیت کو کیونکر رفع کیا ہے اور اس ضمن میں فکر و تعمق کے کن جواہر پاروں کو دامن تحریر میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت علامہ کے تصور صفات سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے نقطۂ نظر سے صفات میں اصل شئ اثبات ہے۔ نفی یا تجرید نہیں۔ دوسرے یہ کہ صفات کا اثبات علی وجہ الکمال ہونا چاہیے۔ یعنی ان کے اطلاق و عموم کو بہر حال قائم رکھنا چاہیے۔ ان دو نکتوں کو سامنے رکھیے تو اس حقیقت کے سمجھ لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوگی کہ علامہ نفس مسئلہ کے حل کی خاطر علم الٰہی کی وسعتوں کو محدود کر دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ قدریہ کے بعض انتہا پسند حضرات نے کیا ہے[2]۔ اسی طرح

۱۔ موافقہ صحیح المنقول ج ۱، ص ۳۳ ۲۔ ایضاً، ص ۱۷۹

وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ آگسٹن ( ) کی طرح علم کی وسعت و اطلاق پر اس درجہ زور دیں کہ اس کا اثر انسانی ذمہ واری پر پڑے اور وہ اختیار کے دائروں کی رہنمائی سے یکسر بے نیاز ہو جائے کیونکہ ایسا کرنے سے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے مرتبۂ علمی کو تو تحدید کے نقص سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس کا وصف عدل و انصاف اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مزید برآں اس صورت میں تکلیفات شرعیہ کے لیے بھی کوئی عقلی اساس باقی نہیں رہتی۔

علامہ نے علم و عدل کے دوگونہ تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ علم الٰہی کے خلاف کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوتی تو اس سلسلہ میں ہم مندرجۂ ذیل دو غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں:

۱۔ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ علم الٰہی کے خلاف کچھ ظاہر نہیں ہو پاتا۔ مگر اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ خود اس علم کا ہدف و موضوع کون چیز ہے۔

۲۔ ہم اس کو بغیر سوچے سمجھے کلیتہً تسلیم کر لیتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

غرض یہ ہے کہ اگر ہمارے ذہن میں صورت مسئلہ یوں ہو کہ اللہ تعالیٰ انسانی اعمال کو پہلے سے جانتا بوجھتا ہے جن کو ہم اختیار و ارادہ کی روشنی میں انجام دینے والے ہیں۔ اور یہ نہ ہو کہ گھوم پھر کر ہمیں بہرحال وہی کچھ کرنا ہے جو پہلے سے مقدر و معلوم ہے۔ تو اس صورت میں علم کی ہمہ گیری و وسعت کے باوجود جبر و اضطرار کا اعتراض نہیں ابھرتا کیونکہ علم کا تعلق صرف اور مطلق اعمال سے نہیں بلکہ اعمال مقدرہ سے ہے۔ اور اعمال مقدرہ میں اختیار پہلے سے شامل ہے۔

ان اللہ یعلم علی ما ھو علیہ فیعلمہ ممکناً مقدراً للعبد۔[1]

اللہ تعالیٰ کا علم اپنے بندوں کے بارہ میں اس نوعیت کا ہے کہ یہ اعمال ان کے لیے ممکن ہیں اور

۱۔ موافقۃ صحیح المنقول، ج ۱، ص ۳۵

یہ کہ ان پر ان کو اختیار اور قابو حاصل ہے۔

دوسرے لفظوں میں علامہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ علم الٰہی کی حیثیت بیانیہ ( ) ہے۔ مکرہ ( ) یا جبر و اضطرار پر مجبور کرنے والی نہیں۔

دوسرے نکتہ کی تشریح علامہ یوں فرماتے ہیں کہ علم الٰہی کے خلاف کچھ ہونا ممکن نہیں۔ یہ کلیہ نہیں کیونکہ اشیاء کی ایسی قسم بھی فرض کی جا سکتی ہے جو مقدر و معلوم تو ہوں مگر سطح وجود پر کبھی فائز نہ ہوں۔ مثلاً مسلمانوں میں سے صلحاء کو جہنم میں ڈالنا، قیامت سے پہلے قیامت کا برپا ہونا، یا پہاڑوں کا یواقیت و جواہر کی شکل اختیار کر لینا۔

یہ سب ایسے "معدومات" ہیں جو علم کے دائرے میں تو باتفاق عقلاء داخل ہیں لیکن مرتبہ ثبوت و وجود پر فائز نہیں۔

وهذه المعدومات الممتنعة ليست شيئًا باتفاق العقلاء مع ثبوتها في العلم[۱]	یہ معدومات ممتنعہ باتفاق عقلاء و شئ موجود کے مفہوم میں داخل نہیں حالانکہ درجہ علمی میں ان کا پایا جانا مسلّم ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اگرچہ ان معدومات کے بارہ میں پوری طرح آگاہ ہے تاہم مجردِ علم اس لائق نہیں ہے کہ ان کو امتناع کی تاریکیوں سے نکال کر وجود و تحقق کی روشنی میں لے آئے۔

معارضہ کی اس صورت میں علامہ دراصل اس حقیقت کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں کہ جبر و اضطرار کے مؤیدین جب علم الٰہی کو اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں تو علم کے اس مخصوص و متعین پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جس کا تعلق انسانی اختیار سے ہے۔ یعنی ان

۱۔ الحجج النقلية والعقلية فيما ينافي الاسلام من بدع الجهمية والصوفية۔ علامہ ابن تیمیہ۔ مطبع المنار مصر، ص ۶۹

لوگوں کی غلطی اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جبر کو مطلق علم پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ مطلق علم سرے سے غیر مؤثر ہے۔

یہ تو تھا مسئلہ جبر و قدر کا عقلی پہلو، علامہ نے اس کے عملی پہلوؤں پر بھی پوری پوری روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی یہ طنز کس درجہ تیکھی اور لاجواب ہے کہ جبریہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں معصیتوں اور گناہوں کا ارتکاب تو اس وجہ سے دھڑلے سے کرتے ہیں کہ قضا و قدر مقتضی ہیں۔ مگر مصائب اور تکالیف کو بخندہ پیشانی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے حالانکہ ان کو ترتیب دینے اور نافذ کرنے میں اسی کے اشارۂ چشم و ابرو کو دخل ہے کہ جس نے تکلیفات شرعیہ کو ضروری ٹھہرایا۔

یستند الیه فی الذنوب والمصائب و لا یطمئن الیه فی المصائب۔	یہ کردہ گناہوں اور برائیوں میں تو قضا و قدر سے احتجاج کرتا ہے مگر مصائب میں اطمینان حاصل نہیں کرتا۔"[1]

علامہ کے نقطۂ نظر سے عقیدہ و عمل کا یہ تضاد اس وجہ سے زیادہ افسوس ناک ہے کہ مسئلہ قضا و قدر کا یہی پہلو تو ایسا تھا کہ اختیار کیا جاتا اور کردار و سیرت کی تشکیل کے سلسلہ میں اس سے مدد لی جاتی۔

اس میں کیا کیا حکمتیں پنہاں ہیں۔ قرآن کی اس آیت کی روشنی میں اس پر غور کیجیے:

ما اصابك من مصيبة فی الارض ولا فی انفسكم الا فی كتاب من قبل ان نبرءها، ان ذالك علی الله۔	کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ کام خدا کو آسان ہے تاکہ

۱۔ اقوم ما قیل فی المشیئة والحکمة والقضاء والقدر والتعلیل۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مطبعہ المنار مصر ۱۳۴۹ھ، ص ۱۳۳

تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور
حدید ۲۳

جو چیز تم نہیں پا سکے ہو اس کا غم نہ کھایا کرو اور جو تم کو اس نے دیا ہو اس پر اترایا نہ کرو۔ اور خدا کسی اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی اگر اس حقیقت کو مان لیا جائے کہ ہمیں جس جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کا سامنا کرنا ہی تھا تو اس سے دل کو ایک طرح کی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مال و دولت اور جاہ و حشمت کی فراوانیوں کے بارہ میں یہ سمجھ لے کہ یہ میری سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کے فضل و بخشش کی رہین منت ہیں تو اس سے کبر و نخوت کے جذبات نہیں ابھرنے پاتے۔

علامہ شرعیات و تکوینات کے فرق کو خوب سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے میں قضا و قدر کے بارے میں صحیح اور صحت مند موقف یہ ہے کہ جہاں تک گناہ و معصیت کا تعلق ہے اس کی ذمہ داریوں کو تو چاہیے کہ انسان خود قبول کرے اور اس کے لیے بخشش و عفو کا طالب ہو، لیکن مصائب و آفات تکوینیہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ان کا وقوع پذیر ہونا بہر حال پہلے سے مقدر اور ضروری تھا۔

خیر الخلق الذین یصبرون علی المصائب ویستغفرون من المعائب[1]

بہترین وہ لوگ ہیں جو مصائب پر صبر کرنے کے عادی ہیں اور معائب پر اللہ سے بخشش چاہتے ہیں۔

استدلال اس آیت سے ہے۔ استدلال کس درجہ انوکھا، واضح اور صاف ہے، داد نہیں دی جا سکتی۔ قرآن کے مضامین پر عبور ہو تو ایسا ہو۔

فاصبر ان وعد اللہ حق واستغفر لذنبک
مومن ۵۵

تو صبر کر بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

۱۔ الموافقہ صحیح المنقول